ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2903

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: علوم حدیث (2903) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی منصوبہ نمبر 1

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1: علوم حدیث کے آغاز وارتقاء کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

علوم حدیث سے مراد وہ علوم ہیں جن کے ذریعے حدیث نبوی کی حفاظت، روایت، تحقیق اور فہم کا نظام قائم ہوا۔ حدیث دین اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے، اس لیے اس کی حفاظت محض ایک علمی سرگرمی نہیں بلکہ دینی ذمہ داری سمجھی گئی۔ محدثین نے حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر بعد کی نسلوں تک اسی طرح پہنچانے کے لیے جو اصول وضع کیے، وہ رفتہ رفتہ مکمل علوم کی صورت اختیار کر گئے۔ ان علوم میں روایت الحدیث، درایت الحدیث، علم الرجال، جرح و تعدیل، علل حدیث، غریب الحدیث، مختلف و مشکل الحدیث اور مصطلح الحدیث جیسی شاخیں شامل ہیں۔ ان علوم کا ارتقاء ایک دن یا ایک زمانے میں نہیں ہوا بلکہ یہ صدیوں پر محیط تدریجی عمل ہے جس میں ہر دور نے اپنی ضرورت کے مطابق نیا اضافہ کیا۔ اس سوال میں ہم اسی ارتقائی سفر کے بڑے مراحل کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ منظم صورت تک یہ علوم کن منزلوں سے گزر کر پہنچے۔

پہلا مرحلہ: عہد نبوی میں حفظ و کتابت کی بنیاد

علوم حدیث کا عملی آغاز خود عہد رسالت سے ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اہتمام سے یاد کرتے، ایک دوسرے کو سناتے اور عملی زندگی میں اختیار کرتے تھے۔ بعض صحابہ نے احادیث قلم بند بھی کیں؛ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ صادقہ اس کی معروف مثال ہے، اور بعض صحابہ کے صحائف اور مکتوبات بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس دور کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حدیث کی حفاظت کا مرکزی ذریعہ حفظ و مذاکرہ تھا اور روایت میں احتیاط کی فضا اسی زمانے سے قائم ہو گئی تھی، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر سخت وعید سنائی تھی۔ اسی وعید نے امت میں اس اصول کی جڑ مظبوط کر دی کہ جو بات آپ کی طرف منسوب کی جائے اس کی پوری تحقیق ضروری ہے۔ یوں علم حدیث کی اساس، یعنی سند کا اہتمام اور متن کی حفاظت، پہلی صدی کی پہلی دہائیوں ہی میں قائم ہو چکی تھی، البتہ باقاعدہ فن کی صورت میں اس کی تدوین ابھی باقی تھی۔

دوسرا مرحلہ: عہد صحابہ و تابعین میں روایت اور احتیاط کا فروغ

عہد صحابہ میں حدیث کے مراکز مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن میں قائم ہوئے، جہاں کبار صحابہ کی مجالس میں حدیث سنی اور سنائی جاتی تھی۔ صحابہ روایت میں انتہائی محتاط تھے؛ بعض اوقات ایک بات کی تصدیق کے لیے قسم تک کا مطالبہ کیا جاتا یا دوسرے گواہ کی تلاش کی جاتی۔ یہ احتیاط بعد کے اصول حدیث کی پہلی عملی شکل تھی۔ تابعین کے دور میں، جب فتنوں کا آغاز ہوا اور مختلف گروہ سامنے آنے لگے، تو راوی سے سند پوچھنے کا رواج عام ہوا۔ محدثین کی کتابوں میں یہ بات نقل ہوئی ہے کہ جب فتنے رونما ہوئے تو اہل علم نے راویوں کے نام پوچھنا شروع کر دیے تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کی روایات میں امتیاز ہو سکے۔ اسی دور میں راویوں کے حالات، ان کے اساتذہ و شاگردوں اور ان کی سیرت کی معلومات جمع ہونا شروع ہوئیں جو آگے چل کر علم الرجال کی بنیاد بنیں۔ اس مرحلے میں تدوین کا کام انفرادی اور جزوی تھا، یعنی بعض ائمہ نے اپنے لیے یا اپنے شاگردوں کے لیے مجموعے مرتب کیے لیکن سرکاری سطح پر عام تدوین ابھی نہیں ہوئی تھی۔

تیسرا مرحلہ: باقاعدہ تدوین حدیث کا دور

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حدیث کے ضائع ہونے کے خدشے کے پیش نظر مختلف علاقوں کے حکام اور علماء کو حدیث جمع کرنے کا حکم دیا، اور مدینہ میں یہ خدمت امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے سپرد ہوئی۔ اس اقدام کو تدوین حدیث کی باقاعدہ اور سرکاری ابتدا قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مختلف شہروں میں تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا؛ مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور یمن میں مصنفات تیار ہوئے جن میں احادیث کے ساتھ صحابہ و تابعین کے فتاویٰ بھی شامل ہوتے تھے۔ اسی دور کی نمایاں کتاب امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا ہے جس میں احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا گیا۔ تدوین کے اس مرحلے میں موضوعات پر کتب لکھنے، ابواب بندی کرنے اور احادیث کو فقہی ترتیب دینے کا ذوق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی من گھڑت روایات کے خطرے کے پیش نظر راویوں کی جانچ پڑتال کا کام بھی منظم ہوا اور جھوٹے راویان کی نشاندہی کر کے ان کی فہرستیں مرتب ہونے لگیں، جو علم جرح و تعدیل کا نقطہ آغاز ہے۔

جدول: علوم حدیث کے ارتقاء کے بڑے ادوار

نمایاں خصوصیت	تقریبی زمانہ	دور
حفظ، مذاکرہ اور محدود کتابت؛ حفاظت کی بنیاد	پہلی صدی ہجری کا آغاز	عہد نبوی
روایتی مراکز، سند کا مطالبہ، احتیاط کا فروغ	پہلی صدی ہجری	عہد صحابہ و تابعین
سرکاری تدوین، مؤطا اور ابتدائی مصنفات	دوسری صدی ہجری	تدوین کا دور
صحاح ستہ، مسانید، علل و رجال کی کتب	تیسری صدی ہجری	تصنیف و تنقیح
مصطلح الحدیث کی تدوین، شروح اور اجمالی کتب	چوتھی صدی ہجری کے بعد	شرح و مصطلحات

چوتھا رجحان: تصنیف، تنقیح اور صحاح ستہ کا عہد زرین

تیسری صدی ہجری کو حدیث کی تصنیف کا عہد زرین کہا جاتا ہے۔ اس دور میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند جیسے بڑے ذخیرے مرتب ہوئے، پھر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے سخت شرائط کے ساتھ صحیح احادیث کے مجموعے تیار کیے، اور ان کے بعد سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی صورت میں صحاح ستہ کا معروف مجموعہ مکمل ہوا۔ اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت تنقید کا فروغ ہے: محدثین نے صرف احادیث جمع نہیں کیں بلکہ ہر روایت کو سند و متن کے اصولوں پر پرکھا، راویوں کے احوال پر مستقل کتابیں لکھیں اور پوشیدہ خرابیوں یعنی علل پر بھی کام کیا۔ امام ترمذی کی کتاب العلل اور امام علی بن المدینی جیسے ائمہ کی تحقیقات اسی دور کی یادگار ہیں۔ اس طرح حدیث کے متفرق اجزاء الگ الگ علوم کی صورت اختیار کرنے لگے؛ کوئی امام رجال میں مشہور ہوا، کوئی علل میں اور کوئی غریب الفاظ کی تشریح میں۔

اس عہد میں راویوں کی طبقات بندی بھی ہوئی اور ہر طبقے کے رجال کے حالات جمع کیے گئے، جس سے کسی بھی سند کے راویوں کی ملاقات، سماع اور عدالت و ضبط کی جانچ ممکن ہو گئی۔ یہ تمام تیاریاں بعد میں آنے والے اصولی مباحث کی بنیاد ثابت ہوئیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ تیسری صدی میں حدیث کا ذخیرہ بھی محفوظ ہوا اور اس کی جانچ کے اوزار بھی تیار ہو گئے تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔

پانچواں مرحلہ: مصطلحات کی تدوین اور شروح کا دور

چوتھی صدی ہجری سے علوم حدیث کی باقاعدہ تدوین اصولی کتب کی صورت میں شروع ہوئی۔ قاضی ابو محمد رامہرمزی رحمہ اللہ کی المحدث الفاصل کو اس فن کی اولین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حاکم نیشاپوری نے معرفۃ علوم الحدیث میں حدیث کے علوم کی اقسام بیان کیں، خطیب بغدادی نے الکفایہ اور الجامع جیسی کتابوں میں روایت و آداب روایت کے اصول مرتب کیے، اور قاضی عیاض نے الالماع میں تحمل و ادا کے مباحث کو اجاگر کیا۔ ساتویں صدی میں ابن الصلاح کی مقدمہ، جسے علوم الحدیث کہا جاتا ہے، اس فن کا محور بن گئی؛ اس کے بعد امام نووی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر اور دیگر ائمہ نے اس پر اختصار، نظم اور شرح کی صورت میں کام کیا۔ ابن حجر کی نخبۃ الفکر اور اس کی شرح نزہۃ النظر آج بھی اس فن کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں شامل ہیں۔ اسی دور میں حدیث کی شروح، رجال کی جامع کتب، اطراف اور معاجم کی تصنیف نے ان علوم کو تکمیل تک پہنچایا۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

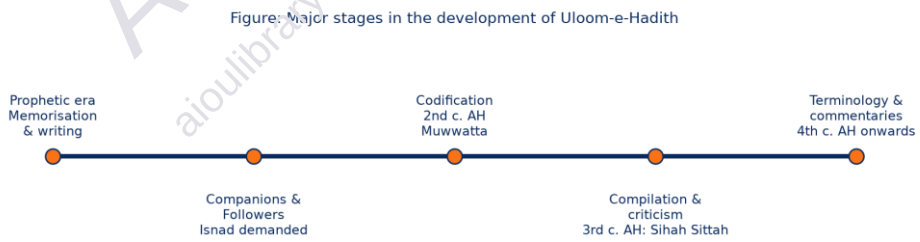

شکل: علوم حدیث کے ارتقاء کے بڑے مراحل

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ علوم حدیث کا سفر حفظ و کتابت کی سادہ ابتدا سے شروع ہوا، صحابہ و تابعین کے دور میں احتیاط اور سند کے مطالبے نے اسے عملی اصول دیے، دوسری صدی میں تدوین نے اسے تحریری صورت دی، تیسری صدی میں تصنیف و تنقید نے اسے عروج بخشا اور بعد کی صدیوں میں مصطلحات کی تدوین اور شروح نے اسے باقاعدہ فنون کی شکل دے دی۔ یہ تدریجی ارتقاء اس بات کا ثبوت ہے کہ امت نے حدیث کی حفاظت کو ہر دور کی ضرورت کے مطابق نئے اوزاروں سے مزین کیا۔ آج یہ علوم مدارس و جامعات میں

مستقل نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہی اصولوں کی بنیاد پر کسی بھی روایت کی صحت وضعف کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ طالب علم کے لیے ان مراحل کی واقفیت اس لیے ضروری ہے کہ وہ مصطلحات کو انہی تاریخی پس منظر میں سمجھے جس میں وہ پیدا ہوئیں۔

سوال نمبر2

سوال نمبر2: سند کی ضرورت واہمیت اور امت محمدی کے ساتھ اس کی خصوصیت بیان کریں۔(20)

تعارف

سند یا اسناد سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعے کوئی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ بلد مدینہ کے اصل الفاظ یا مضمون کو متن کہا جاتا ہے۔ علم حدیث کی پوری عمارت سند پر کھڑی ہے، کیونکہ متن کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی ذریعے سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر سند نہ ہو تو ہر شخص اپنی بات کو حدیث کہہ کر پیش کر سکتا ہے اور اصل و نقل، صحیح و موضوع میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ محدثین نے سند کو دین کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا ہے؛ مقدمہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مشہور قول نقل ہوا ہے کہ سند دین میں سے ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جو چاہتا جو چاہتا کہہ دیتا۔ اس سوال میں پہلے سند کی ضرورت واہمیت بیان کی جائے گی اور پھر یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ نظام امت محمدی کی ایسی خصوصیت ہے جو دوسری امتوں کو اس جامع صورت میں حاصل نہیں ہوئی۔

سند کی ضرورت کیوں پیش آئی

ابتدائے اسلام میں صحابہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے، اس لیے سلسلہ بیان کرنے کی ضرورت کم تھی۔ لیکن جب اسلام دور دراز علاقوں میں پھیلا، صحابہ مختلف شہروں میں منتقل ہوئے اور روایت کرنے والوں کی تعداد بڑھی تو یہ جاننا ضروری ہو گیا کہ یہ بات کس نے کس سے سنی ہے۔ پھر جب سیاسی و فکری فتنے پیدا ہوئے اور بعض لوگوں نے اپنے مقاصد کے لیے باتیں گھڑنا شروع کیں تو سند کا مطالبہ ناگزیر ہو گیا۔ مقدمہ صحیح مسلم ہی میں منقول ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگ پہلے سند

نہیں پوچھتے تھے، جب فتنہ واقع ہوا تو کہا جانے لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ، پھر اہل سنت کی حدیث قبول کی جاتی اور اہل بدعت کی روایت چھوڑ دی جاتی۔ یہ تاریخی حقیقت بتاتی ہے کہ سند کا نظام کسی نظری دلچسپی کا نتیجہ نہیں بلکہ دین کی حفاظت کی عملی ضرورت سے پیدا ہوا۔ آج بھی جب کوئی روایت پیش کی جاتی ہے تو سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ اس کی سند کیا ہے اور اس کے راوی کون ہیں۔

سند کی اہمیت کے مختلف پہلو

سند کی اہمیت کا پہلا پہلو صحت کی تشخیص ہے۔ محدثین نے حدیث کی قبولیت کے لیے جو شرائط مقرر کی ہیں ان میں اکثر کا تعلق سند سے ہے: سند کا متصل ہونا، راویوں کا عادل و ضابط ہونا اور شذوذ و علت سے خالی ہونا۔ انہی بنیادوں پر حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دوسرا پہلو ذمہ داری کا تعین ہے؛ سند موجود ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بات کس مرحلے پر کس سے آئی ہے، اس لیے غلطی یا خطا کا سراغ لگانا ممکن ہوتا ہے۔ تیسرا پہلو تاریخی تسلسل ہے؛ سند کے ذریعے امت کا اپنے نبی سے زندہ تعلق قائم رہا اور ہر نسل نے اگلی نسل کو یہ امانت نام بنام منتقل کی۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ سند نے روایت کے ساتھ تنقید کا پورا علم پیدا کر دیا، یعنی علم الرجال اور جرح و تعدیل، جو انسانی تاریخ میں کسی خبر کی جانچ کا بے مثال نظام ہے۔ اسی لیے اہل علم سند کو امت کی امتیازی شان اور دین کی پاسبانی کا مضبوط قلعہ قرار دیتے ہیں۔

جدول: سند کے فوائد کا خلاصہ

پہلو	وضاحت
تشخیص صحت	اتصال، عدالت و ضبط کی جانچ سے حدیث کا درجہ معلوم ہوتا ہے
ذمہ داری کا تعین	ہر راوی نام بنام معلوم ہونے سے خطا کا ماخذ تلاش کیا جا سکتا ہے
تاریخی تسلسل	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نسل تک زندہ سلسلہ قائم رہتا ہے
من گھڑت کا سدباب	بے سند بات قبول نہ کرنے سے وضع و اختراع کا راستہ بند ہوتا ہے

علم الرجال اور جرح وتعدیل کا پورا نظام سند ہی سے پیدا ہوا	تنقیدی علم کی بنیاد

امت محمدی کے ساتھ سند کی خصوصیت

محدثین ومؤرخین نے اس بات کو امت محمدی کی خصوصیات میں شمار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سند جیسا نظام عطا فرمایا۔ خطیب بغدادی سمیت متعدد ائمہ نے اپنی کتابوں میں اس نکتے کو بیان کیا ہے کہ گزشتہ امتوں کے پاس اپنے انبیاء کی تعلیمات کو اس طرح راویوں کے ناموں کے سلسلے کے ساتھ محفوظ کرنے کا نظام موجود نہیں تھا۔ یہود و نصاریٰ کے پاس مذہبی کتابیں اور روایتیں تھیں لیکن ان کی کتب کے مصنفین اور ناقلین کے احوال، ان کی عدالت وضبط اور آپس میں ملاقات کے امکانات کی جانچ کا کوئی باقاعدہ فن ان کے یہاں پیدا نہ ہوا۔ اس کے برعکس اس امت میں لاکھوں راویوں کے حالات، ان کی ولادت ووفات، اساتذہ وتلامذہ، اسفار اور اخلاق وسیرت پر مستقل کتابیں مرتب ہوئیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک راوی کے بارے میں یہ تحقیق کی گئی کہ وہ کس سے ملا، کس سے نہیں ملا اور اس کی روایت میں اتصال کی کیا صورت ہے۔ یہ اہتمام فقط اس لیے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات امانت کے طور پر پوری ذمہ داری سے آگے منتقل ہو۔

اس خصوصیت کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ سند کا نظام صرف احادیث تک محدود نہ رہا بلکہ اس امت میں قرآن کی قراءات، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم میں بھی اجازہ وسند کا سلسلہ جاری رہا۔ علم حدیث کے ماہرین اجازت ناموں میں اپنے اساتذہ کے نام اسی تسلسل سے لکھتے ہیں جس طرح حدیث کی سند لکھی جاتی ہے۔ دوسری جانب اسلامی مؤرخین کا یہ مشاہدہ بھی ہے کہ کسی دوسری قوم نے خبریں وصول کرنے کے لیے اس قدر دقیق اور وسیع تنقیدی نظام نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین سمیت غیر جانب دار محققین نے بھی اسناد کے نظام کو تاریخ نویسی کے لیے ایک عظیم contribution کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ البتہ اس خصوصیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہر منقول بات خود بخود درست ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جانچ کا مکمل ذریعہ اس امت کو میسر ہے اور اسی ذریعے کا استعمال اس کی ذمہ داری بھی ہے۔

سند کے بغیر روایت کے نقصانات

اگر سند کا نظام نہ ہوتا تو دین کی دوسری بنیاد یعنی حدیث و سنت کا ذخیرہ شبہات کی نذر ہو جاتا۔ ہر دور کے فتنہ پرداز اور خواہش پرست اپنی من گھڑت باتوں کو حدیث کے نام سے پھیلا دیتے، اور عوام کے پاس اصل و نقل پرکھنے کا کوئی معیار نہ رہتا۔ سند کی موجودگی میں محدثین نے موضوع روایات کو الگ کر کے انہیں مستقل کتابوں میں جمع کر دیا تاکہ کوئی ان سے دھوکا نہ کھائے۔ اسی نظام کی بدولت آج بھی کوئی محقق کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم کر سکتا ہے کہ اسے کن ائمہ نے روایت کیا، اس کے راوی کس درجے کے ہیں اور اس کے متن میں کوئی پوشیدہ خرابی تو نہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ خبریں جو بے سند کتابوں، قصے کہانیوں اور عوامی مجالس میں گردش کرتی رہیں، ہمیشہ اہل علم کے نزدیک ناقابل اعتماد رہیں۔ یوں سند نے امت کو افواہ اور تحقیق کے درمیان فرق کرنے کا شعور عطا کیا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ سند علم حدیث کی جان ہے؛ اسی سے حدیث کی نسبت ثابت ہوتی ہے، اسی سے صحت و ضعف کا فیصلہ ہوتا ہے اور اسی سے من گھڑت روایات کا راستہ بند ہوتا ہے۔ اس نظام کا اس وسعت، درستگی اور تسلسل کے ساتھ پایا جانا امت محمدی کی وہ خصوصیت ہے جس کی مثال دوسری امتوں میں نہیں ملتی۔ محدثین نے اس امانت کی حفاظت کے لیے اپنی عمریں وقف کر دیں اور راویوں کے حالات پر ہزاروں کتابیں چھوڑیں۔ طالب علم کے لیے لازم ہے کہ وہ حدیث کو صرف متن سمجھ کر نہ پڑھے بلکہ سند کی قدر و قیمت بھی پہچانے، کیونکہ جب تک سند کی اہمیت ذہن میں نہ ہو، اصول حدیث کے باقی ابواب کی اصل روح سمجھ میں نہیں آتی۔

سوال نمبر 3

سوال نمبر 3: تحمل حدیث کے طریقے تفصیل کے ساتھ لکھیں۔ (20)

تعارف

تحمل حدیث سے مراد شیخ سے حدیث حاصل کرنے اور اسے اپنے ذمے لینے کے طریقے ہیں، جبکہ اس حاصل شدہ حدیث کو آگے بیان کرنے کو ادا کہا جاتا ہے۔ محدثین نے تحمل وادا کے اصول اس لیے نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں کہ حدیث کی روایت محض سننے سنانے کا نام نہیں بلکہ ایک امانت ہے جس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی اس کے اعتبار کو متاثر کرتا ہے۔ جس طریقے سے حدیث حاصل کی جائے، آگے بیان کرتے وقت اسی کے موافق لفظ استعمال کرنا ادب وامانت کا تقاضا ہے؛ مثلاً سماع سے حاصل شدہ حدیث کے لیے حدثنا، قراءت سے حاصل شدہ کے لیے اخبرنا، اور اجازہ سے حاصل شدہ کے لیے انبانا یا اجازہ کی صراحت کا رواج رہا۔ قاضی عیاض نے الالماع اور خطیب بغدادی نے الکفایہ میں ان مباحث کو تفصیل سے مرتب کیا اور بعد میں ابن الصلاح وغیرہ نے انہیں اصولی شکل دی۔ اس سوال میں تحمل کے آٹھ مشہور طریقے ترتیب و درجے کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلا اور دوسرا طریقہ: سماع اور قراءت علی الشیخ

تحمل کا سب سے اعلیٰ طریقہ سماع ہے، یعنی شاگرد شیخ سے براہ راست حدیث سنے، خواہ شیخ حافظے سے بیان کرے یا اپنی کتاب سے پڑھ کر سنائے، اور شاگرد تنہا ہو یا جماعت میں شامل ہو۔ اس طریقے کو اکثر محدثین نے سب سے قوی قرار دیا کیونکہ اس میں شیخ خود قصداً حدیث بیان کرتا ہے اور شاگرد کا سماع یقینی ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ قراءت علی الشیخ ہے جسے عرض بھی کہا جاتا ہے؛ اس میں شاگرد شیخ کے سامنے حدیث پڑھتا ہے، چاہے خود پڑھے یا دوسرا پڑھے اور وہ سنے، اور شیخ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک یہ طریقہ بھی سماع کی طرح معتبر ہے بلکہ بعض نے مخصوص صورتوں میں اسے سماع کے برابر یا اس سے بھی زیادہ محتاط قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں شاگرد کی غلطی پر شیخ کی اصلاح کا امکان موجود رہتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ شاگرد سماع کے وقت متوجہ ہو، سوتا یا غافل نہ ہو اور اگر کتاب سے سماع ہو تو اپنے نسخے کو اصل سے ملاتا رہے۔

تیسرا اور چوتھا طریقہ: اجازہ اور مناولہ

تیسرا طریقہ اجازہ ہے، یعنی شیخ اپنے شاگرد کو اپنی مرویات یا کسی معین کتاب کی روایت کی اجازت دے، بغیر اس کے کہ پوری کتاب سنائی یا پڑھی جائے۔ اجازہ کی کئی صورتیں ہیں: معین شاگرد کو معین کتاب کی اجازت، غیر معین چیز کی اجازت، عام اجازت اور معدوم یا مجہول کے لیے اجازت۔ جمہور محدثین معین اجازت کو جائز اور قابل عمل قرار دیتے ہیں، جبکہ عام اور مجہول اجازتوں میں اختلاف ہے۔ چوتھا طریقہ مناولہ ہے، یعنی شیخ اپنی کتاب یا اصل نسخہ شاگرد کے حوالے کر کے کہے کہ یہ میری روایت ہے، اسے مجھ سے روایت کرو۔ مناولہ کی دو بڑی قسمیں ہیں: اجازت کے ساتھ مناولہ، جو سماع و قراءت کے بعد قوی ترین صورتوں میں شمار ہوتی ہے، اور اجازت کے بغیر محض کتاب حوالے کرنا، جس میں روایت کی اجازت پر اختلاف ہے۔ مناولہ میں اصل نسخے کا ملنا طالب علم کے لیے بڑی سہولت تھا کیونکہ اس سے نقل کی درستگی کا امکان بڑھ جاتا تھا۔

جدول: تحمل حدیث کے آٹھ طریقے اور ان کا درجہ

ادا کا عام لفظ	تعریف مختصر	طریقہ
حدثنا / سمعت	شیخ سے براہ راست سننا	سماع
اخبرنا / قرات علیہ	شیخ کے سامنے پڑھنا اور تصدیق پانا	قراءت (عرض)
انبانا / اجازۃ	بغیر سماع روایت کی اجازت دینا	اجازہ
ناولنی	کتاب یا اصل نسخہ حوالے کرنا	مناولہ
کتب الی	شیخ کا لکھ کر بھیجنا	کتابت
اعلمنی	شیخ کا اپنی روایت کی خبر دینا	اعلام
اوصی الی	وفات یا سفر کے وقت کتاب کی وصیت	وصیت

وجادہ	کسی کی تحریر پالینا	وجدت بخط

باقی چار طریقے: کتابت، اعلام، وصیت اور وجادہ

پانچواں طریقہ کتابت ہے؛ شیخ حاضر یا غائب شاگرد کے لیے حدیث لکھ کر بھیجے۔ اگر اس کے ساتھ روایت کی اجازت بھی ہو تو اس کا حکم مناولہ کے مشابہ ہے اور جمہور کے نزدیک اس سے روایت جائز ہے، البتہ ادا کرتے وقت کتابت کی صراحت مناسب ہے تاکہ سننے کا وہم نہ ہو۔ چھٹا طریقہ اعلام ہے؛ شیخ شاگرد کو بتا دے کہ یہ حدیث یا یہ کتاب میری مرویات میں سے ہے، لیکن روایت کی صراحت نہ کرے۔ اس صورت میں روایت کے جواز میں اختلاف ہے؛ بعض نے اسے اجازہ کی ایک صورت سمجھا اور بعض نے روایت کی اجازت کے بغیر اسے کافی نہیں سمجھا۔ ساتواں طریقہ وصیت ہے؛ شیخ اپنی وفات یا سفر کے وقت کسی کو اپنی کتابوں کی وصیت کر جائے۔ اس پر بھی محدثین میں اختلاف رہا ہے کہ محض وصیت روایت کا حق دیتی ہے یا نہیں۔ آٹھواں طریقہ وجادہ ہے؛ کسی محدث کی تحریر یا کتاب پالینا، جس سے حاصل شدہ چیز کو وجدت بخط فلاں کہہ کر نقل کرنا جائز ہے لیکن اسے سماع یا اجازہ کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ یہ کمزور ترین صورت ہے کیونکہ اس میں نہ سماع ہے نہ اجازت۔

تحمل کی شرائط اور آداب

تحمل حدیث کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ حاصل کرنے والا سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ نابالغ ممیز بچے کے سماع کے بارے میں محدثین نے تفصیل بیان کی ہے کہ اگر وہ بات سمجھتا اور جواب دیتا ہو تو اس کا تحمل درست ہے اور بلوغ کے بعد وہ اسے روایت کر سکتا ہے۔ اسی طرح سماع کے وقت نیند، غفلت یا ایسی مشغولیت جو سماع میں خلل ڈالے، مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مجلس سماع کے آداب میں نسخے کی مقابلہ و تصحیح، تاریخ سماع کا اندراج، حاضرین کے نام لکھنا اور شیخ کے اصل سے نقل کرنا شامل ہے۔ یہ چیزیں بظاہر انتظامی لگتی ہیں لیکن انہی سے بعد میں سند کی تحقیق ممکن ہوتی ہے، کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے کس سن میں اور کس مقام پر سنا تھا۔ محدثین کے ہاں مجالس املا اور سماع کے یہ ریکارڈ آج بھی کتب رجال و فہارس میں محفوظ ہیں اور انہی سے طبقات و ملاقات کے مسائل حل ہوتے ہیں۔

ادا کے مرحلے میں شرط یہ ہے کہ راوی جس طریقے سے حدیث حاصل کرے اسی کی رعایت رکھے۔ اجازت سے حاصل شدہ روایت کو سماع کے الفاظ سے بیان کرنا درست نہیں سمجھا گیا، اور وجادہ کو سماع کہنا تدلیس وغلط بیانی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس سختی کا مقصد یہ ہے کہ سننے والا روایت کے درجے کو خود پرکھ سکے۔ یہی وہ باریک بینی ہے جس نے اسلامی روایتی نظام کو دوسروں سے ممتاز کیا کہ یہاں صرف ت نہیں دیکھی جاتی بلکہ بات لینے کا طریقہ بھی ریکارڈ ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ تحمل حدیث کے آٹھ طریقے سماع، قراءت، اجازہ، مناولہ، کتابت، اعلام، میسہ ، اور وجادہ ہیں، جن میں سماع و قراءت سب سے قوی اور وجادہ سب سے کمزور ہے۔ ان طریقوں کی درجہ بندی اور ان کے مخصوص الفاظ نے روایت کے اعتبار کو قابل جانچ بنا دیا۔ طالب علم جب کسی کتاب میں حدثنا، اخبرنا، انبانا جیسے الفاظ دیکھے تو اسے جان لینا چاہیے کہ یہ محض اسلوب کا فرق نہیں بلکہ تحمل کے طریقے کا اشارہ ہے۔ ان مباحث کو سمجھے بغیر قدیم کتب حدیث کی اسانید کا صحیح مطالعہ ممکن نہیں، اس لیے مصطلح الحدیث میں یہ باب بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4: مشکل الحدیث کا معنی و مفہوم واضح کریں۔ (20)

تعارف

مشکل الحدیث سے مراد اصول حدیث و شرح حدیث کی وہ شاخ ہے جس میں ایسی احادیث کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا مفہوم بظاہر مشکل، غور طلب یا دوسری نصوص سے بادی النظر میں مختلف محسوس ہوتا ہے۔ لفظ مشکل، اشکال سے ہے جس کے معنی کسی امر کے ملتبس اور پوشیدہ ہو جانے کے ہیں، گویا وہ بات جو پہلی نظر میں سمجھ میں نہ آئے اور غور و فکر کی محتاج ہو۔ حدیث کے ذخیرے میں بعض روایات ایسی ہیں جن کے الفاظ مجمل ہیں، بعض کا مفہوم کسی دوسری حدیث یا آیت سے مختلف لگتا ہے، بعض میں تاریخی یا لغوی

الجھن ہوتی ہے اور بعض میں وہ حکم بیان ہوتا ہے جس کا پس منظر معلوم نہ ہو تو اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اہل علم نے ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے مستقل کتابیں لکھیں جن میں امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار اس فن کی شاہکار کتاب ہے۔ اس سوال میں مشکل الحدیث کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، اس کی قریبی اصطلاحات سے فرق، اشکال کے اسباب اور اہل علم کا طریقہ کار بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بحث خالص علمی و تعلیمی نوعیت کی ہے؛ کسی عملی مسئلے میں قطعی رائے کا اطلاق اہل علم اور مستند علماء کا کام ہے۔

لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں اشکال کا مطلب التباس، یعنی ایک چیز کا دوسری سے اس قدر مل جانا کہ امتیاز مشکل ہو جائے۔ اصطلاح میں مشکل الحدیث ان احادیث کو کہا جاتا ہے جن کے مفہوم تک رسائی عام قاری کے لیے آسان نہ ہو، یا جن کے درمیان بظاہر تعارض پایا جائے، یا جن میں ایسا مضمون ہو جو معروف اصولوں سے بظاہر مختلف لگے اور اس کی توجیہ کے لیے لغت، پس منظر، دیگر نصوص اور اصول فقہ و حدیث کی روشنی درکار ہو۔ اس علم کو بعض نے مشکل الآثار کے نام سے بھی یاد کیا ہے کیونکہ آثار یعنی احادیث و اقوال میں پیش آنے والے اشکالات اس کا موضوع ہیں۔ یاد رہے کہ مشکل ہونا حدیث کی کمزوری نہیں ہے؛ بسا اوقات صحیح ترین احادیث میں وہ لفظ یا ترکیب آ جاتی ہے جس کی درست مراد جاننے کے لیے مہارت درکار ہوتی ہے۔ اس لیے مشکل الحدیث کا فن حدیث کی سند کی جانچ سے نہیں بلکہ اس کے فہم و درایت سے تعلق رکھتا ہے۔

مشکل، مختلف اور غریب الحدیث میں فرق

مشکل الحدیث کو سمجھنے کے لیے اس کی قریبی اصطلاحات سے فرق جاننا ضروری ہے۔ مختلف الحدیث کا تعلق دو یا زیادہ ایسی صحیح احادیث سے ہے جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوں، جیسے امام شافعی کی اختلاف الحدیث اور ابن قتیبہ کی تاویل مختلف الحدیث کا موضوع یہی ظاہری اختلاف ہے۔ غریب الحدیث کا موضوع متن کے نادر و مشکل الفاظ کی لغوی تشریح ہے؛ وہاں اشکال لفظ کے مفہوم میں ہوتا ہے، پوری حدیث کے مدلول میں نہیں۔ مشکل الحدیث ان دونوں سے وسیع تر ہے؛ اس میں ظاہری تعارض بھی آتا ہے، مجمل و مبہم مضمون بھی، تاریخی و علمی نکتے بھی، اور وہ احادیث بھی جن کا ایک حصہ دوسرے حصے سے بظاہر میل نہ کھاتا ہو۔ گویا مختلف الحدیث مشکل کی ایک قسم ہے

اور غریب اس کا لغوی ذریعہ۔ ائمہ نے اس فرق کو اس لیے واضح رکھا کہ ہر قسم کے اشکال کا علاج اسی کے مناسب اصول سے ہو؛ تعارض کا علاج جمع و ترجیح ہے، الفاظ کی مشکل کا علاج لغت ہے اور اجمال کا علاج بیان کرنے والی دوسری نصوص ہیں۔

جدول: مشکل، مختلف اور غریب الحدیث کا باہمی فرق

اصطلاح	اشکال کی نوعیت	حل کا بنیادی ذریعہ
مشکل الحدیث	مفہوم کی موزوں دشواری یا التباس	جامع غور: لغت، سیاق، دیگر نصوص، اصول
مختلف الحدیث	دو صحیح روایات میں ظاہری تعارض	جمع و تطبیق، پھر نسخ، پھر ترجیح
غریب الحدیث	متن کے نادر الفاظ کا مفہوم نامعلوم	کتب لغت و غریب الحدیث

احادیث میں اشکال پیدا ہونے کے اسباب

اشکال کے اسباب کئی ہیں۔ پہلا سبب لغوی ہے: کوئی لفظ اپنے نادر استعمال، قبائلی محاورے یا مجازی معنی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرا سبب اختصار و اجمال ہے: راوی بات مختصر بیان کر دیتا ہے اور تفصیل دوسری روایت میں ہوتی ہے۔ تیسرا سبب پس منظر سے ناواقفیت ہے: حدیث کسی خاص واقعے یا سوال کے جواب میں ارشاد ہوئی، جب وہ سبب معلوم نہ ہو تو حکم عام سمجھ کر اشکال پیدا ہوتا ہے۔ چوتھا سبب نسخ یا تخصیص ہے: ایک نص عام یا پہلے حکم پر ہے اور دوسری اس کی تخصیص یا بعد کے حکم پر، معلومات نہ ہونے سے دونوں متصادم لگتی ہیں۔ پانچواں سبب روایت بالمعنی ہے: محدثین کے اصول کے مطابق بعض صورتوں میں معنی کی روایت ہوئی تو الفاظ کی تبدیلی سے بظاہر فرق پیدا ہو گیا۔ چھٹا سبب خود قاری کی کم علمی بھی ہے: جو شخص اصول و لغت سے واقف نہ ہو اسے وہ بات بھی مشکل لگے گی جو اہل فن کے نزدیک واضح ہو۔ ان اسباب کی فہرست بتاتی ہے کہ مشکل زیادہ تر نسبت کی چیز ہے، یعنی مفہوم تک رسائی کے ذرائع کی کمی اسے پیدا کرتی ہے۔

اشکال دور کرنے کا علمی طریقہ کار

اہل علم نے مشکل احادیث کے حل کے لیے منظم طریقہ اختیار کیا ہے۔ سب سے پہلا قدم متعلقہ تمام روایات کو جمع کرنا ہے، کیونکہ ایک ہی واقعے کی مختلف روایات ایک دوسرے کی وضاحت کرتی ہیں؛ مجمل کی تفصیل، مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص اکثر دوسری روایت سے مل جاتی ہے۔ دوسرا قدم لغت و سیاق کی طرف رجوع ہے تاکہ الفاظ کی اصل مراد معلوم ہو۔ تیسرا قدم جمع و تطبیق ہے، یعنی دونوں روایات کو اس طرح ہم آہنگ کرنا کہ ہر ایک اپنے محل پر باقی رہے۔ اگر جمع ممکن نہ ہو اور تاریخ معلوم ہو تو ناسخ کا اصول پر غور ہوتا ہے، اور اس کے بعد ترجیح کے اصول آتے ہیں جن میں سند کی قوت، راویوں کی تعداد اور دیگر قرائن دیکھے جاتے ہیں۔ آخری درجے میں اگر کسی صورت فیصلہ نہ ہو سکے تو توقف کیا جاتا ہے، یعنی بغیر علم کے قطعی بات نہیں کہی جاتی۔ امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں یہی منہج استعمال کیا کہ ہر مشکل حدیث کے تمام طرق جمع کر کے اس کی بہترین توجیہ پیش کی۔ یہی منہج آج بھی شرح حدیث کی بنیاد ہے۔

اس علم کی اہمیت اور اہم کتب

مشکل الحدیث کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ اگر ان اشکالات کو حل نہ کیا جائے تو حدیث کے بارے میں شکوک پیدا ہوتے ہیں اور مخالفین کو اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث اسی مقصد سے لکھی کہ حدیث پر کیے جانے والے اعتراضات کا علمی جواب دیا جائے۔ امام شافعی کی اختلاف الحدیث، امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار اور بعد کے ادوار میں حافظ ابن حجر وغیرہ کی شروح نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اس علم کی برکت سے یہ اصول قائم ہوا کہ نصوص کو الگ الگ پڑھنے کے بجائے مجموعی طور پر سمجھا جائے اور کسی ایک روایت کی بنیاد پر شریعت کے مسلمہ اصولوں سے ٹکرانے والی رائے قائم نہ کی جائے۔ طالب علم کے لیے اس فن کا مطالعہ اس کی درایتی صلاحیت کو پختہ کرتا ہے اور اسے سکھاتا ہے کہ حدیث کا فہم صرف ترجمہ نہیں بلکہ لغت، تاریخ، اصول اور مجموعی نصوص کو سامنے رکھنے کا نام ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ مشکل الحدیث کا مطلب وہ احادیث ہیں جن کا مفہوم بظاہر دشوار یا متعارض محسوس ہو، اور ان کے حل کے لیے قائم کیا گیا علم اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ علم مختلف الحدیث سے وسیع اور غریب الحدیث سے ممتاز ہے۔ اشکال کے اسباب لغت، اجمال، پس منظر، نسخ و تخصیص اور روایت بالمعنی میں پوشیدہ ہوتے ہیں، اور ان کا حل روایات کے مجموعے، لغت، جمع و تطبیق اور ترجیح کے اصولوں سے ہوتا ہے۔ امام طحاوی وغیرہ کی کتب اس فن کی بنیادی مآخذ ہیں۔ واضح رہے کہ یہ بحث علمی و درسی ہے، اور کسی خاص عملی مسئلے میں مشکل نص کی حتمی مراد کا تعین اور اس پر فتویٰ یا فیصلہ مستند علماء اور اہل اختیار ہی کا کام ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5: علل الحدیث بلحاظ سند اور علل الحدیث بلحاظ متن کی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

علل الحدیث سے مراد علم حدیث کی وہ دقیق شاخ ہے جو حدیث میں چھپی ہوئی ان خرابیوں کا مطالعہ کرتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتیں لیکن حدیث کے قبول یا رد کو متاثر کرتی ہیں۔ علت کے لغوی معنی مرض اور سبب کے ہیں، اور اصطلاح میں علت وہ پوشیدہ و خفی سبب ہے جو حدیث کی صحت میں قدح ڈالے، حالانکہ اس کی ظاہری سند صحیح معلوم ہوتی ہو۔ یہ علم حدیث کے مشکل ترین علوم میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے اسانید کا وسیع حفظ، راویوں کے احوال کی گہری واقفیت اور مختلف طرق کا موازنہ کرنا لازم ہے۔ حافظ ابن حجر نے علت کی جو تعریف کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علت ایک خفی قدح ہے جو بظاہر سلامت نظر آنے والی روایت میں پایا جائے۔ علل کا تعلق سند سے بھی ہوتا ہے اور متن سے بھی، اس لیے اس سوال میں دونوں پہلو الگ الگ بیان کیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ جس حدیث میں ایسی علت ثابت ہو جائے اسے معلل کہا جاتا ہے اور وہ ضعیف کے حکم میں آتی ہے۔

علت کی پہچان کا عمومی طریقہ

علت کی پہچان کا بنیادی ذریعہ ایک ہی حدیث کے تمام طرق اور اسانید کو جمع کر کے ان کا موازنہ کرنا ہے۔ ایک راوی کی روایت دوسرے ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو، کسی نے سند میں ایک نام بڑھا دیا ہو، کسی نے گرا دیا ہو، کسی نے متن میں جملہ الٹ دیا ہو تو اس موازنے سے خرابی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ علل، جیسے امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو حاتم و ابو زرعہ رازی اور امام دار قطنی، اپنی وسعت حفظ کی بنا پر پہچانے جاتے ہیں۔ امام ترمذی کی کتاب العلل اور دار قطنی کی العلل الواردہ اس فن کی مشہور کتابیں ہیں۔ علت کا دعویٰ محض گمان سے نہیں ہوتا بلکہ دلائل سے ہوتا ہے، مثلاً اکثریت ثقات کی مخالفت، راوی کی منفرد روایت، یا اس راوی کی دوسری روایات سے اس کا ٹکراؤ۔ یہ دقت اس لیے ہے کہ ایک صحیح حدیث کو علت کے نام پر رد کر دینا بھی غلطی ہے، اس لیے اس فن میں اختصاص اور احتیاط دونوں لازم ہیں۔

علل الحدیث بلحاظ سند

سند سے متعلق علل کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت خفی انقطاع ہے؛ مثلاً راوی نے اس شیخ سے براہ راست سماع نہ کیا ہو جس سے وہ روایت کر رہا ہے، لیکن سند بظاہر متصل لگے۔ یہ صورت تدلیس سے پیدا ہوتی ہے جس میں راوی اپنے ضعیف شیخ کا نام گرا کر اوپر والے ثقہ شیخ سے عن کے لفظ سے روایت کر دیتا ہے، اسے تدلیس اسناد کہتے ہیں۔ دوسری صورت ارسال خفی ہے جس میں معاصر راوی اپنے معاصر سے وہ حدیث روایت کرے جس کی اس سے ملاقات یا سماع ثابت نہ ہو۔ تیسری صورت اسناد کی قلب ہے، یعنی راویوں کے ناموں یا ترتیب میں الٹ پھیر ہو جانا، جیسے ایک راوی کا نام دوسرے کی جگہ آ جائے۔ چوتھی صورت اضطراب ہے؛ ایک ہی حدیث مختلف متعارض اسناد سے مروی ہو اور کوئی ترجیح قائم نہ ہو سکے۔ پانچویں صورت ثقہ راوی کی زیادتی یا کمی کا اختلاف ہے جس میں کسی طرق میں ایک راوی زائد یا ناقص ہو اور دونوں صورتیں اپنے اپنے مقام پر قوی ہوں۔ یہ تمام خرابیاں بظاہر چھپی ہوتی ہیں کیونکہ ہر راوی ثقہ بھی ہو سکتا ہے، مگر موازنہ کرنے سے اصل صورت واضح ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ علت کا علم صرف وہی پا سکتا ہے جس کے پاس اسانید کا بڑا ذخیرہ ہو۔

علل الحدیث بلحاظ متن

متن سے متعلق علل بھی اتنی ہی اہم ہیں۔ ان کی ایک صورت شذوذ ہے، یعنی ثقہ راوی کا متن دیگر ثقات کے متن کے خلاف ہونا۔ دوسری صورت ادراج ہے، جس میں راوی یا شارح کا اپنا جملہ حدیث کے متن میں شامل ہو جائے اور سننے والا اسے اصل حدیث سمجھے؛ اسے مدرج کہا جاتا ہے۔ تیسری صورت متن کی قلب ہے، یعنی الفاظ یا جملوں کی ترتیب الٹ جائے جس سے معنی بدل جائے۔ چوتھی صورت تصحیف و تحریف ہے، یعنی نقل و کتابت میں الفاظ بگڑ جائیں۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ متن قرآن، متواتر سنت، اجماع یا قطعی تاریخی حقائق کے خلاف ہو تو یہ اس کے معلل یا ناقابل قبول ہونے کی علامت بھی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ کوئی صحیح توجیہ موجود نہ ہو۔ محدثین اس معاملے میں بھی محتاط ہیں؛ متن کی مخالفت کا دعویٰ تبھی معتبر ہوتا ہے جب روایت کے دیگر طرق اور شرائط کی جانچ کے بعد کوئی جمع و تطبیق ممکن نہ رہے۔ بعض اوقات بظاہر متعارض متن درحقیقت مشکل الحدیث کے باب میں حل ہو جاتا ہے اور علت نہیں بنتا، اس لیے علت متن کا فیصلہ جلدی میں نہیں کیا جاتا۔

جدول: علل بلحاظ سند اور بلحاظ متن کا موازنہ

پہلو	علل بلحاظ سند	علل بلحاظ متن
محل خرابی	راویوں کے سلسلے میں	حدیث کے الفاظ و مضمون میں
مثالیں	تدلیس، ارسال خفی، قلب اسناد، اضطراب	شذوذ، ادراج، قلب متن، تصحیف
پہچان کا ذریعہ	اسانید کا جمع و موازنہ	متون کا مقابلہ اور دیگر نصوص سے موازنہ
اثر	حدیث معلل ہو کر ضعیف شمار ہوتی ہے	حدیث معلل ہو کر ضعیف شمار ہوتی ہے

علل کے علم کی اہمیت

علل کے علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ محدثین نے اسے علوم حدیث کا سب سے باریک اور باعزت فن قرار دیا ہے۔ کئی روایات ایسی ہیں جن کی اسناد بظاہر بالکل صحیح ہیں، راوی بھی ثقہ ہیں، لیکن طرق کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت موقوف تھی جسے مرفوع کر دیا گیا، یا مرسل تھی جسے متصل بنا دیا گیا۔ اگر علل کا علم نہ ہوتا تو ایسی روایات صحیح سمجھ کر قبول کر لی جاتیں اور اصول و استدلال میں بڑی غلطیاں واقع ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں بھی ان باریکیوں کی رعایت رکھی اور ابن مدینی کو اس فن کا امام سمجھا جاتا ہے۔ طالب علم کے لیے اس علم کا تعارف اس لیے ضروری ہے کہ وہ ظاہری سند دیکھ کر مطمئن ہونے کے بجائے یہ سمجھے کہ حدیث کی تحقیق کا آخری درجہ طرق کا موازنہ اور اہل فن کی آراء ہیں، اور عام طالب علم کا کام ان آراء کو نقل کرنا ہے نہ کہ خود نئی علتیں تراشنا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ علت حدیث میں پائی جانے والی وہ پوشیدہ خرابی ہے جو ظاہری صحت کے باوجود اس کے اعتبار کو مجروح کرتی ہے۔ بلحاظ سند علت کی صورتیں تدلیس، ارسال خفی، قلب اسناد اور اضطراب ہیں، جبکہ بلحاظ متن علت کی صورتیں شذوذ، ادراج، قلب، تصحیف اور قطعی نصوص کی مخالفت ہیں۔ ان کی تشخیص طرق کے جمع و موازنہ سے ہوتی ہے اور یہ کام اس فن کے ماہر ائمہ ہی کا ہے جن کی تصانیف اس باب میں مرجع ہیں۔ اس علم نے حدیث کی تنقید کو اس بلندی تک پہنچایا کہ بظاہر درست نظر آنے والی روایت کی تہہ میں چھپی خامی بھی پکڑی جا سکے۔ یہی درستگی علم حدیث کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔